Fikr-o-Nasar (Islamabad) 38:2 (2000)

فکر و نظر ---- اسلام آباد   جلد: ۳۸   شمارہ: ۲

بر صغیر پاک و ہند میں سیرت نگاری

(دوسری صدی - بارہویں صدی ہجری)

سفیر اختر ☆

بر صغیر پاکستان و ہند و بنگلہ دیش میں نبی اکرم ﷺ کی سیرت نگاری[1] کا جائزہ متعدد اہل علم نے لیا ہے۔ بعض نے اسے مستقل بالذات موضوع بناتے ہوئے کسی ایک زبان کے حوالے سے اپنے نتائج غور و فکر پیش کیے ہیں،[2] اور بعض نے ایک خاص عہد یا ایک خاص خطے کے سرمایۂ سیرت کا جائزہ لیا ہے۔[3] ان متخصصین کے ساتھ کچھ دوسرے اہل قلم نے وسیع تر تناظر میں بر صغیر کے سرمایہ علم و دانش کی فہارس مرتب کرتے ہوئے سیرت پر کتابوں کا تعارف لکھا ہے،[4] تاہم جوں جوں خطی ذخیرہ ہائے کتب کی فہرستیں شائع ہوتی جا رہی ہیں، سرمایۂ سیرت سے متعلق ہماری معلومات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ بعض کتابیں جن کے اکا دکا نسخے ہی دستیاب تھے، اور جن تک رسائی بوجوہ آسان نہ تھی، اب ان کے متعدد دوسرے نسخوں کا انکشاف ہو چکا ہے، اور ان کے مطالعے سے صحیح تر معلومات سامنے آ رہی ہیں۔ اس حوالے سے سرمایۂ سیرت کے پیش رو جائزہ نگاروں کے مقالات میں اضافہ و ترمیم کی گنجائش پیدا ہو گئی ہے، اور میری گزارشات کی ایک وجۂ جواز یہ بھی ہے۔

پہلی صدی ہجری کے آخر میں محمد بن قاسم کی فتح سندھ (۹۳ھ) سے بہت پہلے مسلمان بر صغیر کے ساحلی علاقوں میں آمد و رفت رکھتے تھے، اور ایک روایت کے مطابق حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں جب ۱۵ھ میں حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی (م بہ اختلافِ روایت ۵۱ھ یا ۵۵ھ) کو بحرین اور عمان کا گورنر مقرر کیا گیا تو آخر الذکر نے اپنے بھائی حضرت حکم بن ابی العاص کو

☆ چیف ایڈیٹر، ادارہ تحقیقات اسلامی - اسلام آباد

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad.   http://iri.iiu.edu.pk/

تھانہ (نزد مومبائی) پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا تھا،(۵) مگر حضرت عمر فاروقؓ کو یہ مہم جوئی پسند نہ آئی۔ یہ حضرت عمر فاروقؓ کی احتیاط پسند طبیعت کے خلاف تھا کہ کسی ایسی مہم کا خطرہ مول لے لیا جائے جس میں مجاہدین اسلام کو مسلسل کمک بہم نہ پہنچائی جا سکتی ہو۔ بلادِ ہند کے بارے میں حضرت عمر فاروقؓ کی اسی پالیسی پر عمل جاری رکھا گیا، اس لیے خلافتِ راشدہ اور بعدازاں اموی خلافت کے ابتدائی پچاس برسوں میں برصغیر کا کوئی علاقہ اسلامی خلافت میں تو شامل نہ ہو سکا، البتہ بلوچستان، سندھ اور گجرات میں انفرادی طور پر مسلمانوں کی آمد و رفت جاری رہی۔ متعدد صحابہ کرامؓ اور تابعین اس عرصے میں برصغیر میں وارد ہوئے، اور اکا دکا یہیں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔(۶)

محمد بن قاسم کی فتح سندھ کے ساتھ اس خطے میں مسلم معاشرے کی باقاعدہ تشکیل ہوئی، مذہبی ضروریات کے لیے جگہ جگہ مساجد تعمیر کی گئیں، شہروں میں خطیبوں اور قاضیوں کا تقرر ہوا، اور اس عہد کے مطابق مکاتب و مدارس کی بنیاد رکھی گئی۔ پڑھنے لکھنے، اور حساب کتاب سیکھنے کے ساتھ مسلم نظام تعلیم میں قرآن مجید کے حفظ اور روزمرہ معاملات میں نبی اکرم ﷺ کی احادیث کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ ابتداءً یہ خدمت محمد بن قاسم کے ساتھ آنے والوں (مثلاً ابو شیبہ جوہری امیر دیبل و نیرون، زیاد بن حواری، ابو قیس زیاد بن رباح قیسی، قطن بن مدرک کلابی، قیس بن ثعلبہ، کہمس بن حسن بصری اور موسیٰ بن یعقوب ثقفی وغیرہ) اور اس کے جانشینوں (مثلاً یزید بن ابی کبشہ) نے ادا کی۔ وقت کے ساتھ جب سندھ میں مسلم معاشرہ مضبوط بنیادوں پر قائم ہوگیا تو مقامی مسلمانوں میں اہل علم پیدا ہونے لگے۔

سندھ اور گرد و نواح کے خطوں پر عربوں کا اقتدار کم و بیش پونے چار سو سال قائم رہا۔ اس عرصے میں جو خود مختار اور آزاد امارتیں وجود میں آئیں، ان میں قاضی اطہر مبارک پوری کی تحقیق کے مطابق،(۷) سنجان کی امارت ماہانیہ (از حدود ۱۹۸ھ تا حدود ۲۲۷ھ)، منصورہ(۸) کی امارت ہباریہ (از حدود ۲۴۷ھ تا حدود ۴۱۶ھ)، ملتان کی امارتِ سامیہ (از حدود ۲۸۰ھ تا حدود ۳۶۰-۳۷۰ھ)، مکران کی امارت معدانیہ (از حدود ۳۴۰ھ تا حدود ۴۷۱ھ) اور قصدار[خضدار]= طوران کی امارت مغلبیہ (از حدود ۳۴۰ھ تا حدود ۴۷۱ھ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

تیسری اور چوتھی صدی ہجری کا زمانہ خلافت اسلامیہ کی کمزوریوں کے باوجود ایک حد تک

اسلامی تہذیب کا دورِ عروج تھا۔ آزاد اور خود مختار امارتیں وجود میں آرہی تھی، جن کی باہمی چپقلش نے "مقامی اتحاد" کو مجروح کر دیا تھا، تاہم خلافت کے ساتھ ان امارتوں کی وابستگی نے عالمِ اسلام کے بڑے حصے میں ادارتی یک رنگی قائم کر رکھی تھی۔ اس دور میں بلاد ہند کے شہر کچھ، دیبل، منصورہ، خضدار علم و دانش کے بڑے مراکز تھے، اور بالخصوص "دیبل اور منصورہ [تو] عراق کے شہر کوفہ اور بصرہ کی ہم سری کر رہے تھے۔(۹)" اس دور کی تاریخ و رجال کی کتابوں میں ان شہروں کے اہلِ علم و دانش کے تذکرے اسی انداز میں ملتے ہیں جس طرح سمرقند و بخارا، دمشق و بغداد اور بلادِ مصر کے علماء کے تذکرے موجود ہیں۔ بلادِ ہند و سندھ کے طلبہ عالم اسلام کے دوسرے مراکز میں استفادے کے لیے جاتے تھے، اور متعدد سندھی نژاد اہل دانش نے اپنے وطن سے دور خراسان، عراق، شام، مصر، حتیٰ کہ اندلس میں نام پیدا کیا۔

وطن سے دُور مقیم سندھی محدثین و علماء تو طبقات نگاروں کی نظر میں آگئے، اور ان کے مجمل حالات انساب، تاریخ اور طبقات کی کتب میں درج ہوگئے، مگر سندھ اور بلادِ ہند میں رہ کر جن اہلِ علم و دانش نے خدمات انجام دیں، ان کے بارے میں کسی مقامی مورخ و مصنف نے کچھ نہ لکھا۔ "اس غفلت کے نتیجہ میں ہندوستان کی علمی تاریخ کے نقوش نہ ابھر سکے، اور اگر کہیں کچھ دھندلے نقوش باقی رہ گئے تھے تو بعد کے عجمی و عقلی علوم و فنون کا سیلاب ان کو بھی بہالے گیا، اور نہ صرف فقہاء و محدثین کے نام اور کام ضائع ہوئے، بلکہ اس دور کے ادباء، شعراء، حکماء، فلاسفہ، متکلمین اور دیگر اہل علم و فن بھی گوشہ گمنامی کی نذر ہوگئے۔(۱۰)"

اس افسوس ناک صورت حال کے باوجود رواں صدی کے اہل علم میں سے ڈاکٹر محمد اسحاق،(۱۱) قاضی اطہر مبارک پوری(۱۲) اور بعض دوسرے اہل علم نے غیر ہندی ماخذوں سے ریزہ ریزہ چن کر محدثین، فقہاء، مفسرین و قراء اور قضاۃ و معدلین کے احوال قلمبند کیے ہیں۔

حدیث اور علوم حدیث سے قطع نظر خالص سیرت نگاری کے حوالے سے ابو معشر نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی مدنی (م ۱۷۰ھ) کی "مغازی" پر ایک کتاب کا ذکر ملتا ہے۔(۱۳)

امام عبدالرحمٰن بن حمید بن نصر کسی (م ۲۴۹ھ) حافظِ حدیث اور "مسندِ کسی" کے مصنف تھے۔

ان کا اصل نام عبدالحمید تھا، مگر "عبد" کی تخفیف سے صرف "حمید" کے نام سے معروف تھے۔ ان سے امام مسلم اور امام ترمذی نے روایت کی ہے۔ امام بخاری نے اپنی "الجامع الصحیح" میں تعلیقاً ان کی ایک روایت درج کی ہے۔ اکثر علمائے طبقات و رجال نے انہیں وسطی ایشیا کے شہر "کش" (نزد سمرقند) کی جانب منسوب کر دیا،(۱۴) مگر یاقوت حموی نے واضح کیا ہے کہ ان کا تعلق "ارض ہند کے شہر" کس (کچھ) سے ہے۔(۱۵)

ابو جعفر محمد بن ابراہیم دیبلی (م ۳۲۲ھ) مکہ مکرمہ چلے گئے تھے، وہیں فوت ہوئے۔ انہوں نے حضرت عمرو بن حزم سے مروی نبی اکرم ﷺ کے ۲۵ مکاتیب جمع کیے تھے۔ اگرچہ ان سے پہلے ابوالحسن علی بن محمد بن عبداللہ بن ابی سیف المدائنی (م ۲۱۵ھ) نے مکاتیب اور معاہداتِ نبیؐ پر حسب ذیل تحریریں مرتب کی تھیں۔(۱۶)

-- کتاب عہود النبی ﷺ

-- کتاب رسائل النبی ﷺ

-- کتاب کتب النبی ﷺ الی الملوک

-- کتاب صلح النبی ﷺ

-- کتاب من کتب لہٗ النبی ﷺ کتاباً واماناً

سخاوی (م ۹۰۲ھ) نے عمارہ بن زید کی کتاب "مکاتبۃ ﷺ للاشراف والملوک ولغیرھم" کا ذکر کیا ہے،(۱۷) مگر ان میں سے آج کوئی دستیاب نہیں۔ حافظ شمس الدین محمد بن علی ابن طولون (م ۹۵۳ھ) نے جب "اعلام السائلین عن کتب سیّد المرسلین" مرتب کی تو اس کے آخر میں ابو جعفر دیبلی کا "جزو مکاتیب النبی" نقل کر دیا، اس طرح یہ کتاب محفوظ ہو گئی۔ ابو جعفر دیبلی کی کتاب کے مترجم جناب محمد عبدالشہید نعمانی کی تحقیق کے مطابق "مکاتیب [النبی] کے موضوع پر دستیاب باقاعدہ کتابوں میں ان [ابو جعفر محمد بن ابراہیم دیبلی] کی کتاب کو اوّلین کتاب کی حیثیت حاصل ہے"۔(۱۸)

جب سندھ اور ملحقہ علاقوں میں مسلم امارتیں روبہ زوال ہوئیں، اور اسماعیلی اثرات بتدریج بڑھتے چلے گئے تو محسوس ہوتا ہے کہ اہل سنت علماء نے تعلیم و تدریس کا جو نظام قائم کیا تھا، وہ بر قرار نہ رہ سکا۔ قرآن اور مطالعہ حدیث کے ضمن میں سیرت سے جو دلچسپی تھی، علمی سطح پر کمزور پڑ گئی۔ اس دور کا سندھ [اور آج کا سندھ و پنجاب] عباسی خلفاء اور فاطمین مصر کی مذہبی و سیاسی مخاصمت کا میدان بن گیا، نتیجتاً اہل سنت آبادی کو نقصان برداشت کرنا پڑا۔ کہا جاتا ہے کہ امارت سامیہ کے خاتمے (حدود ۳۶۰ھ-۳۷۰ھ) پر جب اسماعیلی اقتدار قائم ہوا تو جہاں ایک طرف فاطمی خلیفہ کے نام سے خطبہ جاری ہوا، وہیں ملتان میں محمد بن قاسم کی تعمیر کردہ مسجد بند کر دی گئی تھی۔ ملتان کے حاکم ابوالفتح داؤد نے لاہور کے راجا جے پال کو سلطان محمود غزنوی کے خلاف عسکری امداد فراہم کی تھی، کیوں کہ سلطان محمود غزنوی، خلیفہ بغداد کے وفادار کی حیثیت سے سندھ و پنجاب سے اسماعیلی اقتدار ختم کرنے کے درپے تھا، اور آخر الامر غزنوی نے ہی یہاں سے اسماعیلی اقتدار کا خاتمہ کیا تھا۔ (۴۰۱ھ)

سلطان محمود غزنوی کی جولاں گاہ یوں تو برن (بلند شہر) اور سومنات تک کے علاقے تھے، مگر سلطان نے پنجاب اور سندھ کے علاقوں کو غزنی کی سلطنت میں شامل کیا تھا۔ سلطان محمود غزنوی کی وفات (۴۲۱ھ) کے ساتھ غزنویوں کی قوت کمزور پڑ گئی، تاہم تقریباً پونے دو سو برس تک اس خطے پر ان کا اقتدار قائم رہا۔ غزنویوں کے بعد غوریوں نے اقتدار کا پرچم لہرایا، اور جب شہاب الدین محمد غوری پنجاب کے شورش پسند کھوکھروں کو تنبیہ کرنے کے بعد غزنی واپس جا رہا تھا تو ۶۰۲ھ میں جہلم کے کنارے شہید کر دیا گیا۔ اسی برس قطب الدین ایبک نے برصغیر میں مسلم سلطنت کی داغ بیل ڈالی جو ۱۲۷۴ھ تک سرد و گرم سہتے اور نشیب و فراز سے گزرتے ہوئے سات سمندر پار سے آنے والے انگریزوں کے ہاتھوں ختم ہوئی۔

ساڑھے چھ صدیوں پر محیط اس طویل عرصے میں مسلمانوں نے برصغیر میں علم و دانش کے چراغ جلائے۔ لاہور، دہلی اور ملتان جیسے شہر اپنے مدارس، مساجد اور خانقاہوں کی بدولت دور و نزدیک مشہور ہوئے۔ صاحب "تاج المآثر" نے ساتویں صدی ہجری کے ربع اوّل میں لاہور کو "مرکز اہلِ

تقویٰ و منشاء اصحاب فضل و فتویٰ و مأمن زہاد و عباد و مسکن اقطاب و اوتاد"(۱۹) قرار دیا تھا۔ لاہور میں علم و دانش کی جو خیرات بٹ رہی تھی، اس کے لیے ایک دوسرے مورخ کے الفاظ میں

جوق جوق تشنگانِ علوم از سائر بلاد ہند و ولایت ہائے کاشغر وماوراء النہر و عراق و بخارا و سمرقند و خراسان و غزنی وغیر ذلک ازاں خیرات منبع منتفع می شدند چندانکہ یک آبادانی نو در حدود لاہور پدید آمد۔(۲۰)

"سیر الاولیاء" کے مصنف کے بقول شیخ فریدالدین گنج شکر (ولادت ۵۶۹ھ) کے زمانہ طالب علمی میں "ملتان قبۃ الاسلام عالم بود و فحول علماء آنجا بودند"۔(۲۱) یہی مولف دہلی کے بارے میں اطلاع دیتے ہیں کہ "شہر دہلی کہ قبۃ الاسلام گیتی است و بندگان خدائے تعالیٰ از مشائخ درِمقامات و کرامات می زدند و می کشادند و علماء در غوامض معانی باریک استنباط می کردند"۔(۲۲) کم و بیش یہی کیفیت دوسرے شہروں کی تھی جہاں مسلم اقتدار کی جڑیں جم چکی تھیں۔(۲۳)

سلاطین دہلی (۶۰۲ھ-۹۳۲ھ) کے بارے میں بحیثیت مجموعی یہ معلوم ہے کہ "وہ مساجد تعمیر کرتے تھے، امام، موذن اور مذکر مقرر کرتے تھے اور ان کو وظائف دیتے تھے، اور شیخ الاسلام اور صدر الصدور کے ذریعہ مذہبی طبقہ سے تعلق قائم کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ مذہبی کاموں کے لیے اوقاف قائم کیے جاتے تھے۔ مذہبی تہواروں بالخصوص عیدین اور شب برات کے موقعوں پر خاص اہتمام کیے جاتے تھے اور کئی کئی دن تک عام داد و دہش جاری رہتی تھی۔ شب برات میں آتش بازی چھوڑنے پر بعض علماء و مشائخ سخت اعتراض کرتے تھے، لیکن عوام کے جذبات کا ساتھ دیتے ہوئے سلاطین اس کو جاری رکھتے تھے۔ فیروزشاہ کی طرف سے چراغاں اور آتش بازی کا جو اہتمام ہوتا تھا، اسے دیکھنے کے لیے دور دور سے لوگ آتے تھے اور ہندو بھی اس میں شریک ہوتے تھے۔ رمضان کے مہینے میں بعض سلاطین روزانہ محفلیں منعقد کرتے تھے۔ بعض سلاطین وعظ سننے کے لیے خود علماء کے مکانوں پر جاتے تھے۔"(۲۴)

سلاطین دہلی کی اس "اسلامیت" کے دو امتیازی نشانات تھے، ایک فقہی مسلک میں ان کی "حنفیت" اور دوسرا تصوف۔ نظام تعلیم و تربیت میں ان ہی کو اہمیت حاصل تھی اور اہل قلم کی

جولاں گاہ بھی فقہ و تصوف ہی تھے، اور سیرت نگاری کے ابتدائی نقوش بھی "افتاء و قضاء" اور خانقاہوں سے وابستہ صوفیوں نے وضع کیے۔ سلطنت دہلی باصلاحیت اور عالی حوصلہ حکمرانوں کے نااہل جانشینوں، ان کی داخلی کشمکش اور منگولوں کے حملوں سے عدم استحکام کا شکار تو ہمیشہ رہی، تاہم اس کے انتشار کا آغاز محمد بن تغلق کے عہد (۷۲۵ھ-۷۵۱ھ) میں ہوا تھا۔ اس کے آخری دور میں کئی علاقے مرکز سے علیحدہ ہوگئے تھے، ان میں دکن کی بہمنی سلطنت بالخصوص قابل ذکر ہے۔ فیروز شاہ نے مرکزِ سلطنت کی بالادستی کی کوششیں کیں، مگر اس کی رحلت اور امیر تیمور کے حملے(۸۰۱ھ) کے بعد ناگفتہ بہ حالات نے جونپور، مالوہ، گجرات اور خاندیش کے تغلق صوبیداروں کو خود مختاری کا راستہ دکھایا، انہوں نے سلطنت دہلی کے بالمقابل اپنا سکہ جاری کیا، اور اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ نویں صدی ہجری/پندرہویں صدی عیسوی کے نصف اول میں دہلی کی سلطنت اتنی کمزور ہوگئی تھی کہ قرب و جوار کے علاقوں کے علاوہ کہیں بھی اس کا اقتدار باقی نہ تھا۔ سلطنت دہلی کے زوال اور انتشار سے برصغیر کے مسلم معاشرے کو جو نقصان پہنچنا تھا، سو پہنچا، تاہم اس صورت حال میں علم و فضل کی سرپرستی کے ایک سے زیادہ مرکز وجود میں آگئے، اور جونپور، احمد آباد اور برہان پور اچھے وقتوں کی "دہلی" سے آنکھ ملانے لگے تھے۔

سلطنت دہلی کی ابتدائی دو صدیوں یعنی ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری/تیرہویں اور چودہویں صدی عیسوی میں سیرت نگاری کے حوالے سے تالیف شدہ کوئی زیادہ تصانیف آج، اہلِ علم کے ہاتھ میں نہیں۔ اہل قلم اپنی تصنیفات کا آغاز حمد و نعت سے ضرور کرتے تھے، اور نبی اکرم ﷺ کے وجود مسعود کی برکات کا ذکر کرتے تھے، اور مورخین اپنے دور کے واقعات قلمبند کرنے سے پہلے روایتی انداز میں حضرت آدمؑ سے لے کر اپنے عہد تک کے احوال متقدمین کی کتابوں سے نقل کر لیتے تھے، یا اپنی زبان میں لکھ دیتے تھے۔ قاضی منہاج سراج جوزجانی (م بعد ۶۵۸ھ) نے "طبقات ناصری" (تالیف: ۶۵۵ھ-۶۵۸ھ) کے "الطبقۃ الاولیٰ" میں حضرت آدمؑ سے حضرت محمدؐ تک اختصار سے انبیاء کا ذکر کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے اجداد، ان کی صفات، معجزات، اسماء والقاب اور ہجرت تا رحلت کے تمام حالات ۲۴-۲۵ صفحات میں نپٹا دیے ہیں۔ ان کا مقصود بالذات "سیرۃ النبی" نہیں، بلکہ

تاریخ لکھنا تھا، یہی سبب ہے کہ ان کے مآخذ میں سیرت کے حوالے سے "سنن ابی داؤد" کے علاوہ کوئی بھی دوسری کتاب نہیں۔(۲۵) ایک دوسرے مورخ ضیاء الدین برنی (م۷۵۸ھ) ہیں، جن کی شہرت "تاریخ فیروز شاہی" کے مصنف کی حیثیت سے ہے۔ برنی نے اپنی تصنیفی زندگی کا آغاز سیرت کے موضوع پر کتاب "ثنائے محمدی" یا "نعت محمدی (فارسی)" لکھ کر کیا تھا۔ اس میں خصائص نبی، معجزات اور معراج وغیرہ سے بحث کی گئی ہے، مگر اس تاحال غیر مطبوعہ کتاب سے علمی سطح پر "کوئی زیادہ توقع نہیں وابستہ کرنا چاہیے---[کہ] برنی کا مکمل طور پر اپنی یادداشت پر [انحصار] تھا۔ اس کی دسترس میں کسی قسم کی مستند تالیفات نہیں تھیں"، اور واضح ہے کہ "اس طرح کی صورتِ حال میں کوئی عالمانہ کام ممکن نہیں تھا"۔(۲۶)

ضیاء الدین برنی کے ہم عصر میر سیّد علی ہمدانی (م۷۸۶ھ) سے دو صفحات پر مشتمل "حلیہ مبارک" (عربی مع فارسی ترجمہ) اور اس کی اسناد (فارسی) ملتی ہیں،(۲۷) جسے سیرت النبی پر کوئی کتاب یا رسالہ تو قرار نہیں دیا جا سکتا، البتہ یہ ایک اچھی یادداشت ہے جس کی تائید دوسرے اہل علم کے بیانات سے ہوتی ہے۔

آٹھویں صدی ہجری میں شیخ رکن الدین دبیر کاشانی نے اپنے مرشد حضرت برہان الدین غریب (م ۷۳۸ھ) کے ایماء پر تصوف کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے اس فن کے بنیادی اصولوں اور آداب پر ایک کتاب "شمائل الاتقیاء (فارسی)" تالیف کی۔ اس کے چار ابواب (اقسام) میں سے تیسرا باب (قسم) "در صفات و ذات الٰہی و متعلقاتِ آن و فضائل خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ" ہے۔(۲۸)

آٹھویں صدی ہجری کے نصف آخر میں نبی اکرم ﷺ کا ذکرِ خیر طویل نعتیہ قصائد کی شکل میں بھی نظر آتا ہے۔ قاضی عبدالمقتدر کندی دہلوی (م۷۹۱ھ) کا قصیدہ لامیہ (بہ تقلید "لامیۃ العجم موید الدین اسماعیل بن الحسین ظغرائی م۵۱۴ھ") اور شیخ احمد بن محمد تھانیسری (م۸۲۰ھ) کے "قصیدہ دالیہ" کی تذکرہ نگاروں اور عربی ادب کے جوہر شناسوں نے بہت تعریف کی ہے۔(۲۹) قاضی عبدالمقتدر کے شاگردوں میں جن لوگوں نے شہرت پائی، ان میں محمد بن یوسف (م۸۲۵ھ) جو خواجہ گیسودراز کے عرف سے حلقہ صوفیاء میں متعارف ہیں، اور جونپور کی شرقی سلطنت کے ملک العلماء شہاب الدین

دولت آبادی (۸۴۸ھ) کے نام بہت نمایاں ہے۔ حضرت خواجہ گیسودراز کے سوانح نگاروں نے ان کے ایک رسالے "سیر النبی" کا ذکر کیا ہے۔(۳۰)

فیروزشاہ تغلق کے عہد (۷۵۲ھ-۷۹۰ھ) میں حجاز سے نبی اکرم ﷺ سے منسوب تین تبرکات -- کلیدِ کعبہ، موئے رسول اور قدم رسول -- دہلی لائے گئے تھے۔ فیروزشاہ نے ان تبرکات سے اپنی محبت و عقیدت کا اظہار کیا۔ "کلیدِ کعبہ" اور "موئے رسول" کا ذکر تو "سیرت فیروزشاہی" میں ملتا ہے، لیکن قدم رسول کے بارے میں کوئی معاصر شہادت دستیاب نہیں،(۳۱) تاہم دہلی میں "قدم رسول" فیروز شاہ تغلق کے چہیتے بیٹے فتح خان کی قبر پر نصب ہے۔(۳۲) عہد سکندری (۸۹۳ھ-۹۲۴ھ) میں قدمِ رسولؐ پر ہر جمعرات کو مجلس ہوتی تھی،(۳۳) یقیناً اس مجلس میں نبی اکرم ﷺ کے ذکر خیر، بالخصوص خصائص و فضائل کا چرچا رہتا ہوگا۔ یہ قیاس اس لیے کیا جا سکتا ہے کہ تغلق دور میں مصر اور برصغیر کے درمیان آمد و رفت میں خاصا اضافہ ہو گیا تھا، اور میلاد کی مجلسوں کا رواج برصغیر میں ہونے لگا تھا۔(۳۴) عہد سلطنت میں براہ راست میلاد نبیؐ کے حوالے سے کسی تالیف کا ذکر تو نہیں ملتا، تاہم قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی ایک عبارت حکیم عبدالشکور مرزا پوری نے میلاد کے عدم جواز میں نقل کی ہے،(۳۵) دوسرے لفظوں میں تردید کی ضرورت اس لیے پڑی تھی کہ میلاد کا چرچا ہو رہا تھا۔

سلطنت دہلی کے مدمقابل علاقائی حکمرانوں کے ہاں بھی نعت اور سیرت پر توجہ دی گئی۔ شرقی سلطنت جونپور کے ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی نے اپنے استاذ قاضی عبدالمقتدر دہلوی کی مجالس میں شعر و ادب کا جو ذوق پروان چڑھایا تھا، اس کے نتیجے میں "قصیدہ بانت سعاد" کی جامع شرح "مصدق المفصل" وجود میں آئی۔(۳۶) قاضی شہاب الدین دولت آبادی نے اس شرح میں قصیدہ نگار کعب بن زہیر کے مختصر حالات اور اس کی شعری صلاحیت پر تبصرے کے ساتھ لغت، صرف، نحو، معانی، بیان، بدیع اور عروض کی روشنی میں ایک ایک شعر کی شرح لکھتے ہوئے "حاصل" کے زیر عنوان اپنی رائے دی ہے۔

جناب احمد منزوی نے ایک غیر معروف شاعر "عبدی" کی منظوم "سیرۃ النبی" (فارسی) کے ایک نسخے کا ذکر کیا ہے جو ۸۱۹ھ میں نظم ہوئی تھی۔ شاعر نے اپنی کاوش "ابراہیم سلطان" کے نام معنون کی ہے۔ کتاب میں ابراہیم کے ساتھ شہزادوں کی تعریف کی گئی ہے۔[۳۷] یہ "سیرۃ النبی" کس "ابراہیم سلطان" کے نام معنون ہے؟ گمان غالب ہے کہ یہ سلطان ابراہیم شرقی ہے جو ۸۰۴ھ سے ۸۴۲ھ تک حکمران تھا۔

جونپور کی شرقی سلطنت کے ساتھ شاہان گجرات بھی اصحاب علم و فضل تھے۔ گجرات میں ابوبکر بن محمد بھروچی (م۹۱۵ھ) نے ۹۱۰ھ میں محمود شاہ اول (م۹۱۷ھ) کے لیے قاضی عیاض اندلسی کی "الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ" کو "عین الوفا" کے نام سے فارسی میں منتقل کیا۔[۳۸] محمود شاہ کا جانشین مظفر شاہ ہوا جو اپنے ذاتی تدین و تقویٰ کے ساتھ اہل علم کا سرپرست تھا۔ اس کے عہد میں یمنی عالم جمال الدین محمد بن عمر مبارک معروف بہ بحرق الحضرمی[۳۹] (م۹۳۰ھ) شاگرد علامہ سخاوی برصغیر آئے۔ مظفر شاہ نے ان سے حدیث کا درس لیا تھا، اور ایک دوسرے نووارد یمنی عالم محی الدین عبدالقادر عیدروس احمد آبادی (م۱۰۳۸ھ) کے بقول بحرق الحضرمی " علماء الراسخین والائمہ التبحرین" میں سے تھا۔ بحرق الحضرمی نے اپنے سرپرست مظفر شاہ کے لیے " تبصرۃ الشاہیہ بسیرۃ الحضرۃ النبویہ[۴۰] (عربی)" تالیف کی۔ بحرق الحضرمی نے قصیدہ "لامیۃ العجم" پر صلاح الدین خلیل بن ایبک صفدی (م۷۶۴ھ) کی مفصل "شرح لامیۃ العجم" کو اس کے حشو و زوائد سے پاک کرتے ہوئے، اور کچھ اضافات کے ساتھ ایک نئی کتاب " نشر العلم فی شرح لامیۃ العجم" کی شکل دی ہے۔ کتاب "نشر العلم فی شرح لامیۃ العجم" قاہرہ سے ۱۳۰۹ھ میں شائع ہو چکی ہے۔ محی الدین عبدالقادر عیدروس[۴۱] کی زیادہ شہرت تو دسویں صدی ہجری کے اہل علم کے تذکرے "النور السافر عن اخبار القرن العاشر" کی بدولت ہے، تاہم ان سے سیرۃ النبی پر چار مختلف کتابیں یادگار ہیں۔ انہوں نے نبی اکرم ﷺ اور عشرہ مبشرہ کے احوال میں "الحدائق الحضرہ فی سیرۃ النبی واصحابہ العشرہ"، اور سیرۃ النبی پر مختصراً "اتحاف الحضرۃ العزیزہ لعیون السیرۃ الوجیزہ" لکھی ہے۔ میلاد النبی پر "المنتخب المصطفیٰ من اخبار المولد المصطفیٰ" اور معراج نبی پر "المنہاج الی معرفتہ المعراج" ان کی کاوشیں ہیں۔ ایک کتاب اصحاب بدر کے

بارے میں "الانموذج اللطیف فی اہل بدر الشریف" بھی ان سے یادگار ہے۔ محی الدین عبدالقادر عیدروس نے سیرت نگاری میں روایات کی چھان پھٹک سے کام لیا ہے۔ ان کی سیرت نگاری متصوفانہ رجحانات سے بھی پاک ہے۔

برہان پور (خاندیش) کے اہل علم میں سے ایک محدث علی بن حسام متقی (م ۹۷۵ھ) ہیں جن سے ایک رسالہ "شمائل النبی" ملتا ہے۔(۴۲) برہان پور کے ہی ایک دوسرے، سندھی نژاد عالم شیخ طاہر بن یوسف (م ۱۰۰۴ھ) نے "المواہب اللدنیہ" کا انتخاب تیار کیا تھا۔(۴۳)

گجرات اور یمن کے درمیان آمد و رفت کے باعث عربی زبان سے اعتناء میں اضافہ ہوا۔ یمنی اہل علم اپنی مادری زبان عربی میں تصنیف و تالیف کر رہے تھے۔ عربی زبان کی کتابیں برصغیر آ رہی تھیں، اور مقامی علماء کے ہاں بھی ان سے اخذ و استفاد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ شیخ محمد بن احمد فاکہی (م ۹۹۲ھ) کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ابن سید الناس اندلسی کی "نور العیون فی تلخیص سیرۃ الامین والمامون" حفظ کر رکھی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وعظ و تذکیر میں واقعات سیرت کو کیا مقام حاصل تھا۔

علاقائی حکمرانوں کے ساتھ دہلی اور اس کے گرد و نواح میں بھی کچھ نہ کچھ سرگرمیاں جاری تھیں۔ اس سلسلے میں "غازی" تخلص کے ایک شاعر کی فارسی مثنوی بہ عنوان "سیرت مصطفیٰ" کے تین نسخے دستیاب ہیں،(۴۴) مگر شاعر کے تخلص کے علاوہ کوئی اور معلومات معروف تذکروں میں نہیں ملتیں۔ جناب احمد منزوی نے اسے نویں-دسویں صدی ہجری کی تخلیق قرار دیا ہے۔

سکندر لودھی کے دربار سے وابستہ ایک عالم شیخ عبدالوہاب بخاری (م ۹۳۲ھ) تھے۔ انہوں نے "شمائل النبی" کے نام سے ایک رسالہ لکھا اور چند نعتیہ قصائد کہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ان کی تفسیر قرآن (تالیف ۹۱۵ھ) کا ذکر کیا ہے۔ شیخ عبدالحق دہلوی کے بقول "اکثر قرآن بلکہ تمام آں را ارجاع بنعت پیغمبر و ذکر او کردہ ﷺ و بسیاری از دقائق عشق و اسرار محبت در آن جا درج کردہ است۔(۴۵)" شیخ عبدالحق نے "غالباً غلبہ حال و استغراق" میں لکھی ہوئی اس تفسیر کے اقتباسات

درج کیے ہیں۔ (۴۶)

مولانا مناظر احسن گیلانی کے بقول : ”عوام میں ان [شیخ عبدالوہاب بخاری] کے کام نے بڑی اہمیت حاصل کی ہوگی، سارا قرآن پیغمبر کی نعت ہے، عام مسلمانوں کے لیے بہ ظاہر ایک بڑا دلکش فقرہ ہے،(۴۷)“ مگر آج اس تفسیر کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں۔

شیخ عبدالوہاب بخاری کے ایک معاصر، مگر دہلی سے دور مالا بار کے متوطن شیخ زین الدین (م ۹۲۸ھ) تھے، ان سے ”قصص الانبیاء“ پر ایک کتاب کے ساتھ سیرۃ نبوی پر بھی ایک تالیف ملتی ہے۔

دسویں صدی ہجری کے ابتدائی حصے میں سلطنت دہلی تو برائے نام تھی، ۹۳۲ھ میں مہم جو ظہیر الدین بابر نے لودھیوں کا تختہ الٹ کر ایک نئے ”خانوادہ اقتدار“ کی داغ بیل ڈالی جس نے آہستہ آہستہ جونپور، گجرات اور مالوہ وغیرہ کی علاقائی سلطنتوں کے چراغ گل کر دیے، اور صدی کے اختتام تک مغل جاہ و جلال اور قوت و حشمت کے ساتھ علم و فضل کے چرچے بھی دور و نزدیک پھیل گئے۔ شخصی بادشاہت کی جملہ خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ مغل اقتدار اورنگ زیب عالمگیر کی وفات (۱۱۱۸ھ) تک مضبوط رہا، اس کے بعد جہاں مغل حکمرانوں کی گرفت عنانِ اقتدار پر کمزور ہوتی چلی گئی، وہیں ایسٹ انڈیا کمپنی اپنی حکمت اور سازباز سے قدم جماتی چلی گئی۔ مغل اقتدار کے عہد زوال میں شاہ ولی اللہؒ کی تجدیدی کاوشوں کے تناظر میں علمی سرگرمیوں اور پیش رفت پر بہت کچھ لکھا گیا ہے، اس لیے ہم اپنی بحث اورنگ زیب عالمگیر کی وفات یعنی بارہویں صدی کے ابتدائی حصے تک ہی محدود رکھیں گے۔

سلاطین دہلی کے مقابلے میں مغل حکمران، اورنگ زیب عالمگیر کے استثناء کے ساتھ، من حیث المجموع مذہبی اور دینی زندگی میں کم دلچسپی لیتے تھے۔ اس دور میں غیر مذہبی علمی سرگرمیوں میں خوب اضافہ ہوا۔ شاعری، تذکرہ نگاری اور تاریخ نویسی پر توجہ دی گئی اور معقولات کو فروغ حاصل ہوا۔ اس عرصے میں عمومی تاریخ یا بالخصوص بر صغیر کی تاریخ پر جو کتابیں تالیف کی گئیں، ان میں اکثر مورخین نے آغاز آفرینش سے اپنے عہد تک اجمالاً تاریخ انبیاء اور نبی اکرم ﷺ کی سوانح پر روشنی ڈالی ہے۔ تاریخ الفی (۸۵۰ھ-۹۸۴ھ، گروہ مولفین)، تاریخ ہمایونی (۹۸۵ھ، ابراہیم بن جریر،

ازملازمان ہمایوں)، مجامع الاخبار (۱۰۰۰ھ، محمد شریف وقوعی نیشاپوری)، منتخب التواریخ (۱۰۰۴ھ، عبدالقادر بدایونی)، احسن التواریخ (۱۰۲۱ھ، حسن بیگ خاکی شیرازی)، انفع الاخبار (۱۰۳۶ھ، محمد امین بلخی)، شاہجہان نامہ (۱۰۵۰ھ، میرزا محمد جلال الدین طباطبائی یزدی)، منتخب التواریخ (۱۰۵۶ھ، محمد یوسف اتکی) اور متعدد دوسری کتابوں میں اس روایت کا تتبع کیا گیا ہے۔(۴۸)

برصغیر میں مغلوں کے اقتدار کے ساتھ وسطی اور مغربی ایشیائی ملکوں کے اہل علم کی ایک بڑی تعداد یہاں آکر مقیم ہوئی۔ بابر کے تقریباً چار سالہ عہد (۹۳۲ھ-۹۳۷ھ) میں غیاث الدین بن ہمام الدین محمد ملقب بہ خواند میر ۹۳۴ھ میں آگرہ حاضر ہوا تھا۔ خواند میر نے اپنے ماموں---محمد بن خواند شاہ محمود معروف بہ میر خواند---کی عمومی تاریخ "روضۃ الصفا فی سیرۃ الانبیاء والملوک والخلفاء" کا اختصار "حبیب السیر فی اخبار افراد البشر" کے نام سے تیار کیا تھا، اس پر خواند میر نے تیسری بار نظر ثانی برصغیر آنے کے بعد ۹۳۵ھ میں کی۔ "حبیب السیر" کی پہلی جلد میں جہاں "پادشاہان پیش از اسلام ایران و عربستان" کا ذکر ہے، وہیں حضرت محمد ﷺ اور اولیں چار خلفاء کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔(۴۹)

ہمایوں کے عہد میں سید عبدالاول بن علاء الحسینی زید پوری جونپوری (م۹۶۸ھ) نے خانخانان بیرم خان کی فرمائش پر مجد الدین فیروز آبادی (م۸۱۷ھ) کی "سفر السعادۃ" کا فارسی میں خلاصہ تیار کیا۔ دیباچہ میں لکھا ہے کہ ۹۴۱ھ میں لشکر خراسان یعنی لشکر نصیر الدین ہمایوں دہلی سے گجرات جارہا تھا کہ مرض و فتنہ سے بچنے اور حفظ و امان کی خاطر علم حدیث سے اشتغال کو لازم سمجھتے ہوئے "سفر السعادۃ" کا اختصار مرتب کیا گیا۔(۵۰)

اکبر کا عہد (۹۶۳ھ-۱۰۱۴ھ) مذہبی آزاد خیالی اور فرقہ وارانہ تنوع کے لیے معروف ہے۔ نقطوی، حروفی، روشنیہ اور مہدوی خیالات کے پہلو بہ پہلو صوفیائے خام اور بھگتی تحریک کے رہنماؤں کی سرگرمیاں جاری تھیں۔ "عبادت خانے" کے مذہبی مباحثوں اور ان میں علمائے سوء کے کردار نے ناخواندہ، مگر استحکام سلطنت کے خواہش مند اکبر کو ایک نئے مذہب کی تخلیق کے راستے پر ڈال دیا تھا۔ اکبر کے دربار سے ایک عرصہ وابستہ رہنے کے بعد مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری

(م۹۹۰ھ) اور صدر الصدور عبدالنبی گنگوہی (م۹۹۲ھ) معتوب ہو گئے تھے۔ ان دونوں علماء نے اپنی دنیوی کمزوریوں سے قطع نظر، سیرۃ النبی کے مطالعے پر توجہ دی۔ مخدوم الملک کی تالیفات میں "شرح شمائل النبی" اور "عصمۃ الانبیاء" کا ذکر تو اکثر تذکرہ نگاروں نے کیا ہے، مگر سیرۃ الیوم واللیلۃ النبویہ پر ان کی ایک مستقل تصنیف "منہاج الدین" توجہ حاصل نہیں کر سکی۔(۵۱) عبدالنبی گنگوہی کی تالیفات میں "وظائف الیوم واللیلۃ النبویہ" اور "سنن الہدیٰ فی متابعۃ المصطفیٰ" کے عنوانات ملتے ہیں۔(۵۲)

اکبر کے عہد میں "شمائل" کی جانب مخدوم الملک عبداللہ سلطانپوری کے ساتھ جن دوسرے اہل علم نے توجہ مبذول کی، ان میں مصلح الدین لاری (م۹۷۹ھ)، حاجی محمد کشمیری (م۱۰۰۶ھ) اور محمد حسین حافظ بن باقر ہروی کے نام ملتے ہیں۔ ان سب ہی حضرات نے ترجمہ و شرح کے لیے فارسی زبان استعمال کی ہے۔ مصلح الدین لاری نے شمائل ترمذی کی شرح،(۵۳) اور حاجی محمد کشمیری نے "ترجمہ" پر اکتفاء کیا ہے۔(۵۴) محمد حسین حافظ بن باقر ہروی نے شمائل ترمذی کو فارسی میں "نثرالشمائل" کے نام سے منتقل کیا اور شاہزادہ سلیم کے نام معنون کیا، یعنی یہ نور الدین جہانگیر کے تخت نشین ہونے (۱۰۱۴ھ) سے پہلے کی کاوش ہے، بعد ازاں محمد حسین نے "شمائل" کو دوبارہ "نظم الشمائل" کے نام سے شعری جامہ پہنایا۔(۵۵)

عہد اکبری کی ایک تالیف "مغازی النبی" ہے جو شیخ یعقوب صرفی کشمیری (م۱۰۰۳ھ) کی مشق سخن کا نتیجہ ہے۔ صرفی نے نظامی گنجوی کے خمسے کے جواب میں بعض دوسرے شعراء کی طرح پانچ مثنویاں لکھی ہیں، مگر صرفی نے عاشقانہ قصے کہانیوں کے بجائے "سکندرنامہ" کے جواب میں یہ مثنوی لکھی تھی۔ اس میں صرفی نے اپنی سرگزشت اور سیاحت کے ذکر کے بعد نبی اکرم ﷺ کے بچپن، دعوت دین، ان کی تبلیغی کوششوں اور غزوات پر روشنی ڈالی ہے۔(۵۶)

اکبر کے دور ہی میں شیخ منور بن عبدالمجید لاہور (م۱۰۱۵ھ) نے قصیدہ بردہ کی شرح مکمل کی تھی۔ اکبر کی زندگی ہی میں درباری الحاد اور اباحیت کی اصلاح کے لیے شیخ احمد سرہندی (م۱۰۲۴ھ) کوشاں تھے، تاہم اکبر کے جانشین جہانگیر کے عہد میں انہیں قید و بند سے گزرنا پڑا۔ حضرت سرہندی

کے ہاں واقعات سیرت سے استشہاد ملتا ہے۔ مزید بر آں انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے اثبات کے تحت نبوت اور معجزے پر "اثبات النبوۃ" میں بحث کی۔ اسی طرح کلمہ طیبہ کی متصوفانہ تشریح کرتے ہوئے "رسالہ تہلیلیہ" میں نبی اکرمؐ کے فضائل، معجزات اور اخلاق و اوصاف کا تذکرہ بھی کیا ہے، تاہم جس عالم نے اس دور میں سیرت نگاری کو جامعیت کا رنگ دیا، وہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م۱۰۵۲ھ) ہیں۔ شیخ موصوف کی تالیفات میں سے -- "جذب القلوب الی دیار المحبوب"، "طریق القویم فی شرح صراط المستقیم (شرح سفر السعادۃ)"، "مدارج النبوۃ و درجاۃ الفتوۃ" اور "مطلع الانوار البہیہ فی حلیۃ النبویہ"-- سیرت نبوی سے متعلق ہیں۔ "جذب القلوب الی دیار المحبوب" (تالیف ۹۹۸ھ) گو مدینہ منورہ کی تاریخ ہے، مگر مدینۃ النبی اور النبی المکرم کا ذکر لازم و ملزوم ہے۔ "طریق القویم" میں متن "سفر السعادۃ" کے مطابق نبی اکرمؐ کے نماز، روزے، حج اور اذکار کے ساتھ ان کے احوال پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ "مدارج النبوۃ" نبی اکرم ﷺ کی مکمل حیات طیبہ ہے۔ بقول خلیق احمد نظامی "رسول پاک کی زندگی کا شاید ہی کوئی گوشہ ہو جس پر اس کتاب میں روشنی نہ ڈالی گئی ہو۔ یہ کتاب شیخ محدث کا نہایت اعلیٰ علمی اور ادبی شاہکار ہے۔ ہندوستان --- میں اس سے پہلے کسی ہندی مسلمان نے رسول پاک کی اتنی جامع، مفصل اور مکمل سوانح حیات مرتب نہیں کی تھی۔"(۵۷)

"مدارج النبوۃ" کی تالیف میں عہد اکبر کا الحاد بطور پس منظر کام کر رہا تھا۔ دین سے بڑھتی ہوئی بے اعتنائی پر روک لگانے اور دین سے رغبت و محبت پیدا کرنے کے لیے قرآن و سنت کے مطالعے کے ساتھ ضروری تھا کہ نبی اکرمؐ کی ذات گرامی سے تعلق خاطر پیدا ہو۔ علمی و فکری سطح کے ساتھ اس تعلق کا جذبہ و ایمان میں رچ بس جانا ضروری تھا۔ "مدارج النبوۃ" کے مصنف نے انہی پہلوؤں کو پیش نظر رکھا ہے۔ اس کے مضامین پر مبنی یا معمولی اضافے کے ساتھ مختلف رسائل بھی شیخ محدث دہلوی کی جانب منسوب ہیں۔ ان میں "آداب لباس سید البشر" اور "حلیہ سید المرسلین یا "مطلع الانوار و مخزن الاسرار = مطالع الانوار" (فارسی) بہت معروف ہیں۔ آخر الذکر رسالہ ہی "مطلع الانوار البہیہ فی الحلیۃ النبویہ"(۵۸) ہے۔

جب شیخ عبدالحق محدث دہلوی عہد جہانگیر و شاہجہاں میں سیرت نگاری پر توجہ مرکوز کیے ہوئے تھے تو شیخ عیسیٰ جنداللہ برہان پوری (م۱۰۳۱ھ) نے "شرح قصیدہ بردہ (فارسی)" لکھی۔(۵۹)

شیخ العالم اکبر آبادی نے معراج نبیؐ پر "نادر المعراج و بحر الاسرار" کے نام سے ۱۰۴۴ھ میں قلم اٹھایا[۶۰] جو قصہ خوانوں اور واعظوں کے نقطہ نظر کی ایک عدیم النظیر کتاب ہے۔[۶۱] ۱۰۵۰ھ کی ایک تالیف "پیغامبر نامہ (منظوم)" سعد اللہ متخلص بہ مسیح یا مسیحا کیرانوی کی ہے۔[۶۲] شیخ محمد واعظ دہلوی (م۱۰۶۴ھ) کی منظوم "جامع المعجزات"[۶۳] (عربی، ۱۰۶۴ھ)، محمد باقر بن شرف الدین کا رسالہ "حلیہ رسالت مآب"[۶۴] (فارسی، تالیف ۱۰۶۸ھ)، خواجہ خاوند معین الدین کشمیری (م۱۰۸۵ھ) کا رسالہ "خصائص مصطفیٰ"[۶۵] (فارسی، تالیف ۱۰۷۵ھ)، سید شیر محمد مشہدی غوث پوری ملتانی کی تالیف "انیس العاشقین"[۶۶] (فارسی، تالیف ۱۰۷۶ھ)، شیخ اوحد الدین مرزا خان برکی جالندھری کی "نظم الدرر والمرجان فی تلخیص سیر سید الانس والجان" (عربی)،[۶۷] اور سیّد باب اللہ جعفری کی کاوش "اخلاق محمدی"[۶۸] (فارسی) بھی اس دور کی کتابیں ہیں۔ میلاد و معراج، حلیہ اور سیرت کی عمومی کتابوں کے ساتھ حسب روایت "شمائل ترمذی" بھی توجہ کا مرکز رہی ہے۔ گیارہویں صدی کے وسط میں عبید اللہ نامی عالم نے، جو اپنے آپ کو "از فقرائے احمدی" قرار دیتا ہے، ۱۰۵۷-۵۸ھ میں "زبدہ" کے نام سے شمائل کی شرح لکھی۔ یہ شرح دو حصوں (= صحیفوں) "خیر الاطوار" اور "واقعات سید الابرار" میں منقسم ہے۔[۶۹]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے فرزند نورالحق (م ۱۰۷۳ھ) کی تالیفات میں بھی "شرح شمائل النبی" (فارسی) کا ذکر ملتا ہے۔[۷۰] محمد صفی اللہ بن ہبۃ اللہ ترک دہلوی بخارائی نے جو شیخ محدث دہلوی کے مریدوں میں سے تھے، ۱۰۹۱ھ میں "اشرف الوسائل فی شرح الشمائل" کے نام سے شرح لکھی جو عالمگیر کے نام معنون ہے۔[۷۱] عالمگیر ہی کے نام معنون ایک دوسری شرح شیعہ عالم محمد مسیح بن ہمت خان مخاطب بہ اسلام خان بہادر حسینی بدخشانی سے یادگار ہے۔ یہ شرح محمد مسیح نے اپنے والد ہمت خان کے لیے لکھی تھی۔[۷۲] گیارہویں صدی کے آخر میں مبارک بن کبیر بن محمد انصاری ملتانی نے بھی ایک "شرح شمائل" قلمبند کی۔[۷۳] بارہویں صدی کے آغاز میں نظام الدین محمد بن محمد رستم بن عبداللہ نجمدی امن آبادی (کذا: ایمن آبادی) نے "شرح شمائل النبی" (فارسی، تالیف ۱۱۰۸ھ=باغ

محمدی) لکھی۔ (۷۴) عبدالہادی بن محمد معصوم کی شرح شمائل النبی (فارسی) "اخلاق المصطفیٰ" کا انتساب بھی عالمگیر کے نام کیا گیا ہے۔ (۷۵)

گجرات کے ایک عالم سید محمد بن سید جعفر بدر عالم (جو غالباً اواخر گیارہویں صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں) نے سیرت میں ایک چھوٹا سا رسالہ "تہنیۃ الاسلام" لکھا ہے۔ (۷۶)

عہد اورنگ زیب کے معروف طبیب اور مصنف محمد اکبر معروف بہ محمد شاہ ارزانی (م بعد ۱۱۳۰ھ) نے جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) کی کتاب "المنہج السوی والمنہل الروی فی الطب النبوی" کو "الطب النبوی" کے نام سے فارسی میں منتقل کیا، اور عالمگیر کے نام معنون کیا ہے۔ یہ رسالہ ۱۲۹۸ھ میں مومبائی سے شائع ہو چکا ہے۔

سیرت النبی سے بالواسطہ اعتناء کی ایک شکل نعتیہ قصائد کہنا یا معروف قصائد کی شرح لکھنا یا ان کے تراجم کرنا بھی رہی ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر کے معاصرین میں سے ایک عالم و شاعر لطف اللہ مہندس نے "قصیدہ بانت سعاد" اور "قصیدہ بردہ" کے فارسی ترجمے کیے ہیں۔ (۷۷) عبدالقادر متخلص بہ نظام نے "قصیدہ بانت سعاد" کی شرح لکھی اور اسے اورنگ زیب کے نام معنون کیا ہے۔ (۷۸)

طویل عرصے پر محیط سیرت نگاری کے اس مختصر جائزے سے ہم ان نتائج پر پہنچے ہیں:

☆ سندھ اور گرد و نواح پر عرب دور اقتدار میں علم حدیث کے ساتھ سیرت نگاری سے دلچسپی پیدا ہوئی، مگر پروان نہ چڑھ سکی۔

☆ عہد سلطنت میں فقہ اور تصوف پر داد تحقیق دی گئی، مگر سیرت نگاری پر کوئی وقیع کتاب نہ لکھی جا سکی، البتہ مؤرخینؒ نے تبرکاً اپنی کتابوں کے آغاز میں نبی اکرم ﷺ کے واقعات زندگی پر سرسری معلومات پیش کیں، صوفیاء نے تصوف کے ناتے گفتگو کی اور اہل شعر و ادب نے خود قصائد کہے یا معروف نعتیہ قصائد کی شرحیں لکھیں۔ اس دور کی تحریروں میں نبی اکرم ﷺ سے عقیدت و محبت تو ہے، مگر سیرت کے بارے میں رطب ویابس ہر طرح کی روایات سے استفادہ کیا گیا ہے۔

☆ سلطنت دہلی کے آخری زمانے میں گجرات میں آکر آباد ہونے والے یمنی اہل علم میں سے بحرق الحضرمی اور محی الدین عبدالقادر عیدروس نے سیرت پر اولیں وقیع کام کیا، اور برصغیر کی روایت تصوف سے ہٹ کر تاریخی طور پر مصدقہ اور صحیح روایات کی روشنی میں سیرت نگاری کی داغ بیل ڈالی۔ سیرت نگاری سے اعتناء میں اضافہ ہوا۔ سیرت پر بعض متداول کتابوں مثلاً "الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ" (قاضی عیاض)، "المواہب اللدینہ" (قسطلانی) اور عمومی تاریخی کتابوں (مثلاً "روضۃ الصفاء") کے سیرت سے متعلق حصے فارسی میں منتقل کیے گئے۔

☆ دسویں صدی کے آخری ربع اور اگلی صدی کے پہلے ربع میں اکبر کے دور الحاد کا رد عمل جب بھرپور دینی جذبے کی صورت میں ظاہر ہوا تو شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی "مدارج النبوۃ" اور دوسری کتابیں وجود میں آئیں۔ "شمائل" پر خوب لکھا گیا اور بالخصوص "شمائل ترمذی" کے تراجم و شروح کا ایک سلسلہ قائم ہوگیا، جو بارہویں صدی ہجری کے آغاز تک جاری رہا۔ ان کے ساتھ نعتیہ قصائد---"قصیدہ بردہ" و "قصیدہ بانت سعاد"---کی شروح، مولدالنبی، معراج النبی اور مغازی النبی جیسے موضوعات اہل قلم کی توجہ جذب کرتے رہے۔

☆ برصغیر تشریف لانے والے عربی الاصل اہل علم نے عربی زبان کو ذریعہ اظہار بنایا، اور بعض مقامی اہل علم نے بھی ان کا تتبع کیا، تاہم سیرت پر مقامی ضرورت اور طلب کے مطابق فارسی میں نسبتاً زیادہ کام ہوا، اور یہی زیادہ متداول رہا ہے۔

حواشی

۱۔ لغت کی رو سے سیرت کے معنی طور طریقے اور چال چلن کے ہیں، تاہم اصطلاحاً کسی فرد کے حالات زندگی کو سیرت کہا جاتا ہے۔ اسی مفہوم میں عوانہ بن حکم کلبی (م ۱۴۷ھ) کی کتاب "سیرت معاویہ و بنی امیہ" اور ابو عبداللہ محمد بن عمر واقدی (م ۲۰۷ھ) کی کتاب "سیرۃ ابی بکر ووفاتہ" کے عنوانات میں لفظ سیرت استعمال کیا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے واقعات زندگی کو بھی ابن اسحاق (م ۱۵۱ھ) اور ابن ہشام (م ۲۱۳ھ) نے عمومی اصطلاحی مفہوم میں سیرت کہا ہے۔

اردو میں بھی یہ لفظ عربی زبان کے اہل قلم کے تتبع میں کسی کے احوال و آثار کے بیان کے لیے اس کے نام کی اضافت کے ساتھ مستعمل ہے۔ "سیرت خلفاء راشدین" (محمد عبدالشکور لکھنوی)، "سیرت عائشہ" (سید

سلیمان ندوی)، "سیرت ابوذر غفاری" (محمد رضی کاظمی فتح پوری)، "سیرت سجاد" (سید قائم رضا نسیم امروہوی)، "سیرت عمر بن عبدالعزیز" (عبدالسلام ندوی) "سیرت النعمان" (علامہ شبلی نعمانی)، "سیرت سید احمد شہید" (سید ابوالحسن علی ندوی) "سیرت محمد علی" (رئیس احمد جعفری) اور "سیرت اقبال" (محمد طاہر فاروقی) چند معروف کتابیں ہیں، تاہم آج جب کسی مضاف الیہ کے بغیر لفظ "سیرت" بولا جاتا ہے تو اس سے نبی اکرم ﷺ کی سیرت مراد ہوتی ہے۔

۲۔ برصغیر کی چند زبانوں-- اردو، بلوچی، وبراہوئی، بنگالی، پشتو، پنجابی، سندھی-- کے ساتھ ساتھ عربی و فارسی میں علمائے برصغیر کے سرمایہ سیرت نگاری کے لیے دیکھیے:

اردو- نصیر الدین ہاشمی، "قدیم اردو (دکنی) میں سیرۃ النبی کا ذخیرہ"، دکنی (قدیم اردو) کے چند تحقیقی مضامین، دلی: آزاد کتاب گھر (۱۹۶۳ء)، صفحات ۲۲-۵۰، انور محمود خالد، اردو نثر میں سیرت رسولؐ، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان (۱۹۸۹ء)، محمد مظفر عالم جاوید صدیقی، اردو میں میلاد النبی: تحقیق - تنقید - تاریخ، لاہور: فکشن ہاؤس (۱۹۹۸ء)

بلوچی و براہوئی- انعام الحق کوثر، "ذکر رسول :بلوچی و براہوئی ادب کے آئینے میں"، فکر و نظر (اسلام آباد)، جولائی-ستمبر ۱۹۹۲ء، صفحات ۹۷-۱۰۸، سرور کونین کی مہک-بلوچستان میں، کوئٹہ: سیرت اکادمی بلوچستان (۱۹۹۷ء)

بنگالی- وفاراشدی، "بنگلہ زبان میں سیرت نگاری،" سیارہ (لاہور)، شمارہ ۱۸، مارچ ۱۹۸۴ء

پشتو- سعید اللہ قاضی، "پشتو میں سیرت کی کتابیں"، الحق (اکوڑہ خٹک)، جون ۱۹۷۸ء، صفحات ۴۳-۴۵، جولائی ۱۹۷۸ء، صفحات ۳۵-۴۲، ستمبر ۱۹۷۸ء، صفحات ۴۳-۴۸، اکتوبر ۱۹۷۸ء، صفحات ۴۲-۴۷

پنجابی- سلیم خان گمی، "پنجابی میں سیرت نگاری"، المعارف (لاہور)، دسمبر ۱۹۸۳ء، صفحات ۱۳-۲۳

سندھی- غلام مصطفیٰ قاسمی، "سندھ میں علم سیرت کی ابتداء اور ارتقاء"، المعارف (لاہور)، دسمبر ۱۹۷۹ء، صفحات ۵-۱۲ (مکرر اشاعت، جولائی-اگست ۱۹۸۵ء، صفحات ۲۲۵-۲۳۲)، کریم بخش خالد، "سیرۃ النبی ﷺ-سندھ کے ادبی سرمائے کا جائزہ"، المعارف (لاہور)، اگست ۱۹۸۰ء، صفحات ۳-۱۱، گل حسن لغاری، "سندھ میں علم سیرت کا ارتقاء"، المعارف (لاہور)، جنوری ۱۹۸۱ء، صفحات ۳-۱۰، میمن عبدالمجید سندھی، "آزادی کے بعد سندھ میں دینی ادب کی اشاعت- سیرت پاک پر کتابیں"،در نگارشات سندھ، لاڑکانہ: سندھی ادبی اکیڈمی (۱۹۹۲ء)، صفحات ۱۰۹-۱۳۴

عربی- محمد یٰسین مظہر صدیقی، "ہندوستان میں عربی سیرت نگاری: آغاز و ارتقاء"، تحقیقات اسلامی (علی گڑھ)، اکتوبر-دسمبر ۱۹۸۴ء، صفحات ۳۶۹-۳۸۱، محمد صلاح الدین عمری، "ہندوستان میں عربی سیرت نگاری- ایک جائزہ"، تحقیقات اسلامی (علی گڑھ)، اپریل- جون ۱۹۹۷ء، صفحات ۳۴-۴۸

فارسی۔ رحیم بخش شاہین، "کتاب شناسی فارسی سیرۃ النبی در شبہ قارہ"، دانش (اسلام آباد)، شمارہ ۱۳، صفحات ۸۴-۹۹

۳۔ حکیم محمد عمران خان، "فن سیرت اور ٹونک"، قصر علم (مرتبہ: صاحبزادہ شوکت علی خان)، ٹونک: عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ راجستھان ۱۹۸۰ء، صفحات ۲۶۶-۲۹۲

۴۔ زبید احمد، The Contribution of India to Arabic Literature، لاہور: شیخ محمد اشرف (۱۹۶۷ء)، سید عبدالحی، الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند، دمشق: المجمع العلمی العربی (۱۹۵۸ء)، اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں (ترجمہ "الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند،" مترجمہ ابو العرفان خان ندوی)، اعظم گڑھ: دارالمصنفین، احمد منزوی، فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان، جلد دہم، اسلام آباد: مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان (۱۹۸۸ء)

۵۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے: قاضی اطہر مبارک پوری، "فاتحین ہند حضرات عثمان و حکم اور مغیرہ بنو ابو العاصی ثقفی رضی اللہ عنہم"، اسلامی ہند کی عظمت رفتہ، دہلی: ندوۃ المصنفین (۱۹۶۹ء)، صفحات ۷۲-۹۰

۶۔ دیکھیے: قاضی اطہر مبارک پوری، العقد الثمین فی فتوح الہند و من وردفیھا من الصحابۃ والتابعین، مومبائی (۱۹۶۸ء)، خلافت راشدہ اور ہندوستان، سکھر: فکر و نظر پبلی کیشنز (۱۹۸۶ء)، صفحات ۲۲۷-۲۸۰، محمد اسحاق بھٹی، برصغیر میں اسلام کے اوّلیں نقوش، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ (۱۹۹۰ء)

۷۔ قاضی اطہر مبارک پوری، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، کراچی: مکتبہ عارفین (س-ن)، ص ۲۱

۸۔ شہداد پور (ضلع سانگھڑ) کے جنوب مشرق میں تقریباً ۸ میل کے فاصلے پر دریائے سندھ کی پرانی گزرگاہ اور جمڑاؤ نہر کے بائیں کنارے پر اونچے نیچے ٹیلوں کی شکل میں منصورہ کے آثار موجود ہیں۔ منصورہ کی بنیاد محمد بن قاسم کے فرزند عمرو نے ۱۱۰ھ اور ۱۲۰ھ کے درمیان رکھی تھی۔ امارت ہباریہ کا مرکزی شہر تھا۔ مقدسی بشاری نے امارت ہباریہ کے زوال سے تقریباً چالیس سال پہلے "احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم" (تالیف ۳۷۵ھ) میں اپنے مشاہدات قلمبند کیے تھے۔ اس کے بیان کے مطابق منصورہ اقلیم سندھ کا سب سے بڑا شہر تھا جس کی وسعت دمشق کے برابر تھی۔ یہاں کے باشندوں میں بڑی شرافت و مروت اور اسلامی معاملات میں بڑی تازگی تھی۔ شہر میں علم اور اہل علم کی کثرت تھی۔ لوگ فہیم و ذکی تھے اور صدقات و خیرات سے کام لیتے تھے۔ یہاں کی تجارت نفع بخش تھی، اور ساتھ ہی یہاں حسنِ اخلاق بھی پایا جاتا تھا۔

ہباریوں کے مخالف ہمسایوں کی یلغار اور سب سے بڑھ کر جغرافیائی تبدیلیوں، یعنی دریائے سندھ کے رخ بدلنے سے اس کی آبادی نقل مکانی کر گئی۔ منصورہ کی شان و شوکت کم ہوگئی اور آخر یہ شہر قصہ ماضی بن گیا۔ آج مقامی آبادی منصورہ کے آثار کی جگہ کو "دلور" کے نام سے پکارتی ہے۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے: قاضی اطہر مبارک پوری، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، حوالہ مذکورہ، صفحات ۷۷-۱۶۸، ایم-ایچ-پٹھان Arab kingdom of Al-Mansurah in Sind. جامشورو: انسٹی ٹیوٹ آف سندھالوجی، یونیورسٹی آف سندھ (۱۹۷۳ء)

محکمہ آثار قدیمہ حکومت پاکستان نے منصورہ میں کھدائیاں کی ہیں، اور امارت ہباریہ کی متعدد یادگاریں بر آمد کی ہیں۔ دیکھیے : احمد نبی خان، Al-Mansurah: A Forgotten Arab Metropolis in Pakistan، کراچی : محکمہ آثار قدیمہ و عجائب گھر- حکومت پاکستان (۱۹۹۰ء)

۹۔ قاضی اطہر مبارک پوری، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، حوالہ مذکورہ، ص ۱۸

۱۰۔ قاضی اطہر مبارک پوری، خلافتِ عباسیہ اور ہندوستان، سکھر : فکر و نظر پبلی کیشنز (اپریل ۱۹۸۶ء)، صفحات ۳۹۷-۳۹۸

۱۱۔ ڈاکٹر محمد اسحاق، India's Contribution to the Study of Hadith Literature، ڈھاکہ : یونیورسٹی آف ڈھاکہ (۱۹۵۵ء)

۱۲۔ قاضی اطہر مبارک پوری، ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں، حوالہ مذکورہ، صفحات ۱۴۹-۱۶۵، ص ۲۷۷، صفحات ۲۹۹-۳۰۰، صفحات ۳۲۲-۳۲۳، خلافتِ امویہ اور ہندوستان، دہلی : ندوۃ المصنفین (۱۹۷۵ء)، صفحات ۶۴۰-۶۵۸، خلافت عباسیہ اور ہندوستان، حوالہ مذکورہ، صفحات ۳۹۴-۵۰۷

۱۳۔ محمد بن اسحاق ندیم، الفہرست، بیروت : مکتبہ خیاط، س-ن، ص ۹۳

۱۴۔ فواد محمد سزگین نے امام عبدبن حمید بن نصر کسی کو "کش" کا باشندہ قرار دیتے ہوئے ان کے علمی آثار کے بارے میں اطلاع دی ہے کہ "المسند" کے بعض انتخابات کے خطی نسخے مراکش، ہندوستان اور ترکی کے کتب خانوں میں موجود ہیں جو پانچویں صدی ہجری کے لکھے ہوئے ہیں۔ ایک اور منتخب "الثلاثیات الواقعہ فی منتخب لمسند" کے چند اوراق کتاب خانہ ایا صوفیہ (ترکی) اور قاہرہ میں موجود ہیں جو ساتویں صدی کے اوائل کے مکتوبہ ہیں۔ ایک اور انتخاب "احادیث احوال من مسند" قاہرہ میں محفوظ ہے۔

ابن حجر عسقلانی نے "الاصابہ" میں عبدبن حمید بن نصر کسی کی "التفسیر" کے اقتباسات دیے ہیں۔ (تاریخ التراث العربی)

۱۵۔ یاقوت حموی، معجم البلدان، بیروت : دار صادر، (۱۹۷۷ء)، جلد ۴، ص ۴۶۰

۱۶۔ محمد بن اسحاق ندیم، الفہرست، حوالہ مذکورہ، ص ۱۰۱

۱۷۔ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی، الاعلان بالتوبیخ لمن ذم اھل التاریخ، (مترجمہ محمد یوسف)، لاہور : مرکزی اردو بورڈ (۱۹۶۸ء)، ص ۱۹۸

۱۸۔ محمد عبدالشہید نعمانی (مترجم)، فرامین نبوی- ترجمہ و شرح مکاتیب النبی، کراچی : الرحیم اکیڈمی (۱۹۸۶ء)، ص ۱۱

۱۹۔ محمد بن حسن نظامی، تاج المآثر، حوالہ خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، دہلی : ادارہ ادبیات، (۱۹۸۱ء)، ص ۹۴- بعض دوسرے اہل علم نے بھی "تاج المآثر" کے خطی نسخوں سے لاہور کے بارے میں یہ اقتباس نقل کیا ہے، خطی نسخوں کے باہمی اختلاف کے سبب اقتباس کے بعض الفاظ کم و بیش یا مختلف ہیں۔

۲۰۔ تاریخ سلاطین آل غزنین، منقولہ از شیخ محمد اکرام، آب کوثر، لاہور: فیروز سنز (۱۹۷۱ء)، ص ۶۵
۲۱۔ سید محمد بن مبارک علوی کرمانی معروف بہ "میر خورد"، سیر الاولیاء، اسلام آباد: مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان (۱۹۷۸ء)، ص ۷۰
۲۲۔ ایضاً، ص ۶۷
۲۳۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے: محمد سعید مارہروی، آثار خیر، آگرہ: مطبع عزیزی (۱۳۲۳ھ)، ابوالحسنات ندوی، ہندوستان کی قدیم اسلامی درس گاہیں، لاہور: مکتبہ خاور (۱۹۷۹ء)
۲۴۔ خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، حوالہ مذکورہ، صفحات ۵۳-۵۴
۲۵۔ قاضی منہاج سراج، طبقات ناصری (مقابلہ و تصحیح و تحشیہ و تعلیقات عبدالحی حبیبی قندہاری)، لاہور: دانش گاہ پنجاب (۱۹۵۴ء)، جلد دوم، صفحات ۵۶-۶۷-۶۷
۲۶۔ محمد حبیب و بیگم افسر عمر سلیم خان (مرتبین)، سلاطین دہلی کا سیاسی نظریہ (مع ترجمہ "فتاویٰ جہاں داری")، نئی دہلی: ترقی اردو بورڈ (۱۹۷۹ء)، ص ۲۴۰
۲۷۔ "حلیہ مبارک" کے متن کے لیے دیکھیے: سیدہ اشرف ظفر، امیر کبیر سیّد علی ہمدانی، لاہور: ندوۃ المصنفین (۱۹۷۲ء)، ص ۲۵۵
۲۸۔ "شمائل الاتقیاء" صوفیاء اور بالخصوص دکن کے چشتی صوفیاء میں بہت مقبول رہی ہے۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی کی اطلاع کے مطابق "اسے خانقاہوں میں ایک نصابی کتاب کی طرح پڑھا جاتا تھا" (نقد ملفوظات، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۸۹ء، ص ۲۰۹)۔ "شمائل الاتقیاء" کا فارسی متن ادارہ اشاعت العلوم۔ حیدر آباد دکن نے ۱۳۴۷ھ میں شائع کیا تھا۔ "شمائل الاتقیاء" کو میراں یعقوب دکنی نے ۱۰۷۸ھ میں اردو میں منتقل کیا۔ اس ترجمے کے خطی نسخے دکن کے کتب خانوں میں عام ملتے ہیں۔ (دیکھیے: اختر راہی، ترجمہ ہای متون فارسی بہ زبان ہای پاکستانی، اسلام آباد: مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان، ۱۹۸۵ء، صفحات ۶۸-۶۹)
بدیع حسینی نے "شمائل الاتقیاء" کا انتخاب شعبہ اردو، عثمانیہ یونیورسٹی۔ حیدر آباد کی جانب سے شائع کیا ہے (۱۹۶۷ء)۔
۲۹۔ قاضی عبدالمقتدر کے قصیدے اور اس پر تبصرے کے لیے دیکھیے: شیخ عبدالحق دہلوی، اخبار الاخیار، دہلی: مطبع مجتبائی (۱۳۳۲ھ)، صفحات ۱۵۰-۱۵۱، رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند (مترجمہ محمد ایوب قادری)، کراچی: پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی (۱۹۶۱ء)، صفحات ۳۲۴-۳۲۵، سید عبدالحی رائے بریلوی، نزہۃ الخواطر، حیدر آباد: دائرۃ المعارف (۱۹۴۸ء)، جلد دوم، صفحات ۷۰-۷۶، زبید احمد، حوالہ مذکورہ، صفحات ۲۴۰-۲۴۲
شیخ احمد بن محمد تھانیسری کے قصیدے اور اس پر تبصرے کے لیے دیکھیے: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، حوالہ مذکورہ، صفحات ۱۴۴-۱۴۶، تذکرہ علمائے ہند، حوالہ مذکورہ، صفحات ۱۰۳-۱۰۴، سید عبدالحی رائے

بریلوی، نزہۃ الخواطر، حیدر آباد : دائرۃ المعارف (۱۹۵۶ء)، جلد سوم، صفحات ۸-۱۳، زبید احمد، حوالہ مذکورہ، ص ۲۴۲، صفحات ۹۷۴-۴۸۰

۳۰۔ صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم صوفیہ، اعظم گڑھ : دارالمصنفین (طبع سوم : س-ن)، ص ۵۸۴

۳۱۱۔ خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، حوالہ مذکورہ، صفحات ۴۳۳-۴۳۴

۳۲۔ دہلی کے "قدم شریف" اور "درگاہ قدم شریف" کے لیے دیکھیے : بشیر الدین احمد، واقعات دارالحکومت دہلی، دہلی : اردو اکادمی (۱۹۹۰ء)، جلد دوم، صفحات ۵۳۷-۵۴۳

سید احمد شہید کی تحریک اصلاح و جہاد کے زمانے میں "قدم شریف" کی اصلیت اور آثار رسولؐ سے توسل کی حقیقت پر غور و فکر کیا گیا۔ مولوی عبدالکریم (م ۱۲۹۱ھ) نے "برہان محکم علی خذلان من نفی اثر القدم" اور مولوی فرید الدین نے "سیف المسلول علیٰ من انکر اثر قدم الرسول" کے نام سے قدم شریف کی صحت اور توسل کے اثبات میں رسائل مرتب کیے جن کا محاکمہ میاں سید نذیر حسین (م ۱۳۲۰ھ) نے "الدلیل المحکم فی نفی اثر القدم" (فخر المطابع-دہلی، ۱۲۶۷ھ) میں کیا ہے۔ اس سلسلے کی ایک اور کتاب "الاستشفاع والتوسل بآثار الصالحین و سید المرسل" حافظ محمد عمر دہلوی عرف سراج الحق بن فرید الدین (خادم اسلام پریس-دہلی، ۱۳۲۹ھ) سے یادگار ہے۔

"قدمِ رسول" کے بارے میں یہ امر دلچسپی کا باعث ہے کہ برصغیر کے طول و عرض میں متعدد ایسے آثار موجود ہیں۔ محمد ایوب قادری نے ایسی ۴۳ زیارتوں کی نشان دہی کے بعد لکھا ہے : "آنولہ، دیوبند، رام پور، دہلی، لاہور، بدایوں اور کراچی کے قدم شریف ہم نے خود دیکھے ہیں۔ لمبائی، چوڑائی، انگلیوں کی ساخت، نقش کی گہرائی، پتھروں کی اقسام کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں اور زبان حال سے اپنے وضعی و جعلی ہونے کا اعلان کر رہے ہیں۔ ("برصغیر میں قدم شریف کی زیارتیں،" ضمیمہ "مخدوم جہانیاں جہاں گشت"، کراچی : ایچ-ایم سعید کمپنی، ۱۹۷۵ء، صفحات ۲۳۱-۲۴۳)

۳۳۔ رزق اللہ مشتاقی، واقعات مشتاقی، منقولہ از خلیق احمد نظامی، حوالہ مذکورہ، ص ۴۳۴

۳۴۔ مولانا سید سلیمان ندوی (م ۱۳۷۳ھ) کی رائے میں میلاد کی مجلس کا رواج "غالباً چوتھی صدی ہجری" میں ہوا تھا (سیرۃ النبی، کراچی : دارالاشاعت، جلد سوم، ص ۲۶۴)، مگر مورخین میلاد کی رائے میں اولاً موصل کے ایک نیک سیرت فرد عمر بن محمد نامی شخص نے تخصیص و تعیینِ تاریخ کے ساتھ ربیع الاول میں مجلس مولد کا اہتمام کیا جس کی پیروی ابو سعید مظفر (م ۶۳۰ھ) سلطانِ اربل نے کی۔ سلطان اربل کو میلاد النبی کی تقریب منانے سے بدرجہ عشق لگاؤ تھا، اور ابو الخطاب عمر بن حسن معروف بہ ابن دحیہ کلبی بلنسی اندلسی (۵۴۴ھ-۶۳۳ھ) نے مولود کی پہلی کتاب "التنویر فی مولد السراج المنیر" (بعض کتابوں میں اس کا نام "التنویر فی مولد البشیر والنذیر" بھی لکھا گیا ہے) اس کے لیے لکھی تھی اور ان دونوں کے معاصر ابن خلکان (م ۶۸۱ھ) صاحب "وفیات الاعیان" کے بقول ابن دحیہ کلبی نے سلطان کے سامنے مولود پڑھا اور ایک ہزار اشرفی انعام حاصل کی تھی۔

"میلاد النبی" کے جواز یا عدم جواز کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا، اور لکھا جا رہا ہے، تاہم یہ حقیقت ہے کہ مسلمان معاشروں میں جزوی طور پر میلاد کی تقریبات کا اہتمام ہوتا رہا ہے، اور ان تقریبات و مجالس میں نبی اکرم ﷺ کے ذکر خیر کے حوالے سے چھوٹی بڑی کتابیں لکھی جاتی رہی ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن خلکان، وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان، قاہرہ: مکتبۃ النھضۃ المصریہ (۱۹۴۸ء)، جلد ۳، صفحات ۱۲۱-۱۲۲

۳۵۔ حکیم عبدالشکور مرزاپوری، تاریخ میلاد، لکھنو: الفرقان بک ڈپو (۱۹۷۶ء)، ص ۱۱۱، ص ۱۵۹

۳۶۔ قصیدہ بانت سعاد کی یہ شرح حیدر آباد دکن سے ۱۳۲۲ھ میں شائع ہوئی تھی۔

۳۷۔ احمد منزوی، فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد: مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان (۱۹۸۶ء)، جلد ہفتم، صفحات ۴۸۶-۴۸۷

۳۸۔ یو-ا-بیر گل، ادبیات فارسی بر مبنای تالیف استوری، تہران: مؤسسہ مطالعات و تحقیقات فرہنگی (۱۳۶۲ھ ش)، جلد دوم، صفحات ۷۶۸-۷۶۹۔ "عین الوفا" کا ایک نسخہ محکمہ قضاۃ بھروچ کے کتب خانے میں تھا۔ اس کا تعارف کراتے ہوئے قاضی سید نور الدین حسین بھروچی نے، واللہ اعلم یہ کیوں لکھ دیا ہے کہ اس کا ترجمہ مترجم ابوبکر بن احمد بھروچی نے خود مصنف کے ایماء سے کیا تھا، حالانکہ مصنف اور مترجم کے درمیان چار صدیوں کا فصل ہے۔ "ضمیمہ-گجرات کے کتب خانے"، معارف (اعظم گڑھ)، جولائی ۱۹۴۹ء، ص ۶۴

۳۹۔ تعارف کے لیے دیکھیے: ظہور احمد اظہر، "شیخ جمال الدین بحرق الحضرمی"، اورینٹل کالج میگزین (لاہور)، مارچ-جون ۱۹۷۲ء، صفحات ۲۱۵-۲۳۲

۴۰۔ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر نے اس کتاب کا نام "تبصرۃ الحضرۃ الشاہیۃ الاحمدیہ بسیرۃ الحضرۃ النبویۃ الاحمدیہ" لکھا ہے۔ ان کی رائے کے مطابق یہ بحرق الحضرمی کی ان کتابوں میں سے ہے جن کے صرف نام ملتے ہیں۔ حوالہ مذکورہ، ص ۲۳۲۔

۴۱۔ احوال و آثار کے لیے دیکھیے: سید عبدالحی رائے بریلوی، یاد ایام یعنی مختصر تاریخ گجرات، لکھنؤ: مجلس تحقیقات و نشریات (۱۹۸۳ء)، ص ۱۰۲، نیز زبید احمد، حوالہ مذکورہ، صفحات ۱۷۵-۱۸۲، صفحات ۲۷۶-۲۷۷، صفحات ۳۵۵-۳۵۶، صفحات ۳۷۵-۳۷۶، صفحات ۴۴۶-۴۴۷، ص ۴۷۱

۴۲۔ عبدالرحیم، لباب المعارف العلمیہ فی مکتبۃ دارالعلوم الاسلامیہ (پشاور) آگرہ: آگرہ اخبار، [۱۹۱۸ء]، ص ۷۶۔ ڈاکٹر زبید احمد نے مولوی عبدالرحیم، اور کتب خانہ علی گڑھ کے فہرست نگار پر انحصار کرتے ہوئے رسالہ "شمائل النبی" کو عربی تحریر قرار دیا ہے۔ بعض دوسرے فہرست نگاروں نے اسے فارسی کتابوں میں شمار کیا ہے: دیکھیے: منظور احسن عباسی، تفصیلی فہرست مخطوطات فارسیہ پنجاب پبلک لائبریری- لاہور، لاہور (۱۹۶۳ء)، صفحات ۴۱۶-۴۱۷۔ پنجاب پبلک لائبریری کا نسخہ ایک نمائش میں پیش کیا گیا تو نمائش کے فہرست نگار نے بھی اسے فارسی کتابوں میں درج کیا۔ دیکھیے: فہرست کتب سیرت، لاہور: مجلس اسلامیات، اسلامیہ کالج (۱۹۶۳ء)، ص ۱۱

۴۳۔ محمد غوثی شطاری مانڈوی، اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار (مترجمہ فضل احمد جیوری)، لاہور: اسلامک بک فاؤنڈیشن (۱۳۹۵ھ)، ص ۴۳۲، سید محمد مطیع اللہ راشد برہان پوری، برہان پور کے سندھی اولیاء، حیدر آباد: سندھی ادبی بورڈ (۱۹۸۸ء)، ص ۸

۴۴۔ احمد منزوی، حوالہ مذکورہ، جلد سوم، صفحات ۶۲۱-۶۲۲

۴۵۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، حوالہ مذکورہ، ص ۲۱۵۔ شیخ دہلوی کے شاگرد محمد صادق دہلوی اور دوسرے تذکرہ نگاروں نے عبدالوہاب عثاری کے حالات اور تفسیر میں کم وبیش "اخبار الاخیار" کی عبارت ہی دہرائی ہے۔ دیکھیے: محمد صادق دہلوی، کلمات الصادقین (مرتبہ محمد سلیم اختر)، اسلام آباد: مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان (۱۹۸۸ء)، صفحات ۱۰۷-۱۱۰، رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند، حوالہ مذکورہ، صفحات ۳۴۳-۳۴۴، سید عبدالحی رائے بریلوی، نزہۃ الخواطر، حوالہ مذکورہ، جلد چہارم، ص ۲۲۴

۴۶۔ سورہ مریم، سورہ طہٰ، سورہ انبیاء اور سورہ حج وغیرہ کے جو اقتباسات دیے گئے ہیں، انہیں دیکھ کر شیخ عبدالوہاب عثاری کی نکتہ سنجی کی داد تو دی جا سکتی ہے، مگر دوراز کار تاویلات ان کے دعوے کا ساتھ نہیں دیتیں۔

۴۷۔ مناظر احسن گیلانی، ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت، لاہور: مکتبہ رحمانیہ (س-ن)، جلد دوم، ص ۳۱۰

۴۸۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے: آفتاب اصغر، تاریخ نویسی فارسی ہندوپاکستان: تیموریانِ بزرگ از بابر تا اورنگ زیب، لاہور: خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران (۱۳۶۴ھ ش)

۴۹۔ "حبیب السیر" کے خطی نسخے عام ہیں، نیز یہ کئی بار شائع ہو چکی ہے۔

۵۰۔ پاکستان میں اس کے خطی نسخوں کے لیے دیکھیے: احمد منزوی، حوالہ مذکورہ، جلد دہم، صفحات ۲۱۸-۲۱۹

۵۱۔ سید عبدالباری، "عصمۃ الانبیاء: عہد ہمایونی کا ایک نادر و نایاب نسخہ"، خدابخش لائبریری جرنل (پٹنہ)، شمارہ ۲، (۱۹۷۷ء)، صفحات ۱۷۷-۱۹۱

۵۲۔ ڈاکٹر محمد اسحاق، حوالہ مذکورہ، ص ۱۳۱

۵۳۔ بعض حضرات نے اسے عربی زبان کی کتاب قرار دیا ہے، بلاشبہ متن عربی میں ہے، مگر شرح فارسی میں لکھی گئی ہے۔ مولانا محمد حسین ہزاروی کی تصحیح کے ساتھ مطبع محمدی-لاہور سے ۱۳۱۲ھ میں شائع ہوئی تھی۔

۵۴۔ پاکستان میں "ترجمہ شمائل النبی" کے نسخوں کے لیے دیکھیے: احمد منزوی، حوالہ مذکورہ، جلد دہم، صفحات ۱۹۵-۱۹۶۔ حاجی محمد کشمیری نے اپنی تالیف "شرح حصن حصین" (فارسی) میں اپنی "شرح شمائل النبی" کا ذکر کیا ہے۔ کیا ترجمہ "شمائل النبی" اور "شرح شمائل النبی" ایک ہی کتاب ہے؟ چونکہ "شرح شمائل النبی" کا ذکر کرتے ہوئے حاجی محمد کشمیری نے "ترجمہ شمائل النبی" کا ذکر نہیں کیا، اس لیے "ترجمہ" اور "شرح" ایک ہی کتاب ہے۔ محمد اسحاق نے بانکی پور- پٹنہ کے جس نسخے کا تعارف بطور "شرح شمائل النبی" کرایا ہے (حوالہ مذکورہ، ص ۱۶۱)،

برگل نے اسے "ترجمہ شمائل النبی" لکھا ہے (حوالہ مذکورہ، جلد دوم، ص۲۶۷)۔

تاہم جناب صابر آفاقی کی اطلاع کے مطابق حاجی محمد کشمیری کی "شرح شمائل النبی" عربی میں ہے جو ۹۹۶ھ میں مکمل ہوئی تھی، اور یہ شرح ۱۳۴۹ھ میں مصر سے شائع ہو چکی ہے۔ (دیکھیے: صابر آفاقی، جلوہ کشمیر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء، ص۴۷)، واللہ اعلم بالصواب

۵۵۔ پاکستان میں خطی نسخوں کے لیے دیکھیے: احمد منزوی، حوالہ مذکورہ، جلد دہم، صفحات ۱۹۴-۱۹۵

۵۶۔ "مغازی النبی" کا کچھ حصہ مطبوعہ ہے۔ مطبع محمدی- لاہور (۱۳۱۷ھ)۔ بعض تذکرہ نگاروں نے "مغازی النبی" کا نام "مغازی النبوۃ" لکھا ہے جو درست نہیں۔ جناب انور محمود خالد نے لکھا ہے: "شیخ یعقوب بن حسن صرفی--- کے سیرۃ النبی پر ایک منظوم رسالہ مغازی النبوۃ کا بھی ذکر ملتا ہے---، مگر یہ واضح نہیں ہو سکا کہ آیا وہ اب بھی موجود ہے یا معدوم ہو چکا ہے۔ (حوالہ مذکورہ، ص۲۰۸)۔"

۵۷۔ خلیق احمد نظامی، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، لاہور: مکتبہ رحمانیہ (س-ن)، ص ۱۹۳

۵۸۔ بعض فہرست نگاروں نے "حلیہ سید المرسلین" اور "مطلع الانوار" کو ایک ہی رسالہ سمجھا ہے، مگر جناب احمد منزوی کو اس سے اتفاق نہیں۔ ان کے نزدیک یہ دو الگ الگ رسائل ہیں۔ دیکھیے: احمد منزوی، حوالہ مذکورہ، جلد دہم، صفحات ۲۷۵-۲۷۶

۵۹۔ محمد غوثی شطاری، حوالہ مذکورہ، ص۵۱۵، مطیع اللہ راشد برہان پوری، حوالہ مذکورہ، ص۷۰

۶۰۔ مطبوعہ، لکھنو: منشی نولکشور (چاپ دوم، ۱۳۳۳ھ)، لاہور: مطبع خورشید عالم برائے کتب خانہ نورانیہ-پشاور (۱۳۷۵ھ)

۶۱۔ عبدالرحیم، لباب المعارف العلمیہ، حوالہ مذکورہ، ص۴۴۱

۶۲۔ یو-ا-برگل، حوالہ مذکورہ، جلد دوم، ص۸۳۱

۶۳۔ زبید احمد، حوالہ مذکورہ، ص۴۴۸

۶۴۔ احمد منزوی، حوالہ مذکورہ، جلد دہم، ص۲۷۸

۶۵۔ ایضاً، صفحات ۲۷۸-۲۷۹

۶۶۔ ایضاً، ص۲۷۹

۶۷۔ اس کے خطی نسخے برصغیر کے بعض معروف کتب خانوں میں موجود ہیں۔ عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ راجستھان-ٹونک کا نسخہ شاہ اہل اللہ (برادر شاہ ولی اللہ دہلوی) نے ایک مستند نسخے سے نقل کیا تھا۔ دیکھیے: شوکت علی خان، حوالہ مذکورہ، ص۴۷۔ احمد خان، فہرس المخطوطات العربیہ الاسلامیہ فی باکستان، رباط: المنظمۃ الاسلامیہ للتربیہ والعلوم والثقافہ (۱۹۹۷ء)، الجزء الاول، صفحات ۱۹۴-۱۹۵

"نظم الدرر" کو سید علیم اللہ حسینی جالندھری (م۱۲۰۲ھ) نے فارسی میں "نثر الجواہر فی تلخیص سیر الی

الطیب و الطاہر" کے نام سے ترجمہ کیا ہے۔ (خطی نسخوں کے لیے دیکھیے: احمد منزوی، حوالہ مذکورہ، جلد دہم، صفحات ۲۷۵-۲۷۷، کتاب مطبوعہ ہے۔ لاہور: مطبع خادم التعلیم، ۱۹۰۲ء)۔ اردو ترجمہ مولانا محمد یاور حسین عمری گوپامئوی (م ۱۳۶۰ھ) نے "وشاح الریحان" کے نام سے کیا ہے۔

۶۸۔ شوکت علی خان، حوالہ مذکورہ، ص ۴۷۔ نسخہ ٹونک بخط مصنف ہے اور اس پر اورنگ زیب عالمگیر کی مہر ثبت ہے۔

۶۹۔ احمد منزوی، حوالہ مذکورہ، جلد دہم، صفحات ۲۷۶-۲۷۷

۷۰۔ خلیق احمد نظامی، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، حوالہ مذکورہ، ص ۲۵۰

۷۱۔ احمد منزوی، حوالہ مذکورہ، جلد دہم، ص ۱۹۸

۷۲۔ ایضاً، صفحات ۲۰۰-۲۰۱

۷۳۔ ایضاً، ص ۱۹۸

۷۴۔ ایضاً، صفحات ۱۹۹--۲۰۰

۷۵۔ ایضاً، ص ۱۹۹

۷۶۔ سید نور الدین بہروچی، حوالہ مذکورہ، ص ۶۵

۷۷۔ لطف اللہ مہندس کا ترجمہ مطبوعہ ہے۔ فہرست کتب سیرت، لاہور: مجلس اسلامیات، اسلامیہ کالج (۱۹۶۳ء)، ص ۴۶

۷۸۔ رحیم بخش شاہین، مجلہ "دانش" (اسلام آباد)، حوالہ مذکورہ، ص ۸۷